جدید قوانینِ بین الممالک: ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی خدمات

علم السیر ایک ایسا علم ہے جو ہمیشہ سے مسلمانوں کا رہین منت رہا ہے۔ سب سے پہلے مسلمانوں نے ہی اسے بہ طور علم متعارف کرایا۔ یہ علم جو مسلمانوں میں علم السیر کے نام سے معروف ہوا عام فہم الفاظ میں قانون بین الممالک یا انٹر نیشنل لا کہلاتا ہے، یعنی وہ قانون جو مملکتوں کے درمیان تعلقات کا تعین کرتا ہو۔

علم السیر کی تاریخ یوں بیان کی جاسکتی ہے کہ جب مکہ معظمہ میں اسلام شروع ہوا تو ابتدا میں بہت سی عملی دشواریاں تھیں۔ کیونکہ مسلمانوں کے پاس کوئی علاحدہ مملکت نہیں تھی۔ وہ ایک دشمن شہر یعنی مکہ میں رہتے تھے۔ اور اس کے متعلق ڈاکٹر حمید اللہ کہتے ہیں کہ وہ مملکت کے اندر ایک مملکت، یعنی state with in a state کی حیثیت رکھتی تھی۔ یعنی مسلمانوں کی آبادی شہر مکہ میں تو تھی لیکن شہر کے بڑے نظام کے تحت نہ تھی۔ وہ شہر مکہ کے حاکم کی اطاعت نہیں کرتے تھے اور نہ ہی وہاں کے پرانے قوانین کی اطاعت کرتے تھے۔ بلکہ اپنی ہر ضرورت کے لئے اپنے سردار یعنی رسول اللہ ﷺ سے رجوع کرتے تھے۔ ان کا اپنا علاحدہ قانون تھا۔ علاحدہ تنظیم تھی لیکن جب وہ ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو وہاں چند مہینوں کے اندر اندر مسلمانوں نے ایک باقاعدہ مملکت قائم کر دی اور باقاعدہ ایک دستور بھی مرتب کیا گیا۔[1] جب یہ مملکت قائم ہوئی تو بہت جلد اسے جنگوں سے دوچار ہونا پڑا۔ انٹر نیشنل لا یا قانون بین الممالک میں چوں کہ دو ہی چیزوں سے بحث ہوتی ہے، یعنی حالت جنگ اور حالت امن میں غیروں کے ساتھ تعلقات، اسلام ان ریاستوں کو تین اقسام میں تقسیم کرتا ہے۔

اول: دار السلام۔ دوم: دار العہد۔ اور سوم دار الحرب

دار السلام وہ ریاست ہے جہاں مسلمانوں کا اقتدار ہو اور جس کے محافظ مسلمان ہوں، گویا عرف عام میں یہ ریاست اسلامی ریاست کہلائے گی۔

دار العہد غیر مسلموں کی وہ ریاست ہے جس کے کسی عہد و پیماں کے ذریعے مسلمانوں سے سے تعلقات قائم ہوں۔

دار الحرب وہ ریاست ہے جہاں غیر مسلم حکمران ہوں، اسلامی احکامات نافذ نہ ہوں اور نہ ہی مسلمانوں سے کوئی معاہدہ ہو۔[2]

رسول اللہ ﷺ کو امن کے صرف چند مہینے ملے اور پھر جنگوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ قانون بین الممالک کا دوسرا جز کیا ہے؟ یا حالت جنگ کے قوانین کیا ہیں؟ رسول اللہ ﷺ کے طرز عمل سے اس کی نظیریں ملنے لگیں، کبھی قولی حدیث کے ذریعے سے اور کبھی فعلی حدیث کے ذریعہ سے۔ اور ان دونوں طریقوں سے اسلامی قانون بنتا گیا اور انٹر نیشنل لاء کا اسلامی تصور وجود میں آیا۔[3] غرض اس طرح رسول اکرم ﷺ کی دس سالہ مدنی زندگی، اسلامی انٹر نیشنل لا یا قانون بین الممالک کے اکثر قواعد کو معین اور مدوّن کرنے کا باعث بنی اور پھر جب اس موضوع پر کتابیں لکھی جانے لگیں تو مسلمان مصنف پہلے قرآن پاک کی طرف دیکھتے پھر سنت رسول کی طرف رجوع کرتے تھے۔

علم السیر پر قدیم ترین تحریر امام زید ابن علی (م ۱۲۰ھ/۷۳۸ء) کی کتاب المجموع فی الفقہ کا ایک باب ہے جس کو کتاب السیر کا نام دیا گیا ہے، علم السیر پر پہلی کتاب امام ابو حنیفہ (م ۱۵۰ھ/۷۶۷ء) کی تھی جس کے بعض نکات سے ان کے ہم عصر امام اوزاعی نے سخت اختلاف کیا اور اس کے خلاف ایک رسالہ لکھا۔ تاہم یہ دونوں کتابیں ضائع ہو گئیں۔ امام ابو حنیفہ کے ایک اور اہم شاگرد امام ابو یوسف (م ۱۸۳ھ، ۷۹۶ء) نے امام اوزاعی کے نکات کو رد کرتے ہوئے الرد علی سیر الاوزاعی کتاب لکھی۔ یہ کتاب محفوظ ہے اور اس سے امام ابو حنیفہ اور امام اوزاعی کے اختلافی نکات وغیرہ سامنے آتے ہیں۔ امام شافعی کی کتاب الام میں بھی امام اوزاعی کے رسالے کے کچھ اقتباسات ملتے ہیں۔ امام ابو حنیفہ کے تین اور شاگردوں نے علم السیر کے موضوع پر کتابیں لکھیں۔ ان میں امام محمد الشیبانی، امام زفر اور فنزاری کے نام شامل ہیں۔ امام شیبانی نے اس موضوع پر دو کتابیں لکھیں۔ کتاب السیر الکبیر اور دوسری کتاب السیر الصغیر۔

یہ حقیقت ہے کہ امام شیبانی وہ واحد فقیہ ہیں جنھوں نے اسلام کے قانون بین الممالک کے اصول کے بارے میں پوری شرح وبسط کے ساتھ لکھا۔ اس لیے آپ کو بجا طور پر اسلام کے بین الاقوامی قانونی فکر کا بانی شمار کیا جاتا ہے۔ آپ کی متذکرہ بالا دونوں تصانیف کی شرح پانچویں صدی ہجری کے مشہور حنفی فقیہ امام سرخسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کی۔ آج دنیا میں اس موضوع پر محفوظ رہ جانے والی اور شائع ہونے والی قدیم ترین کتاب یہی شرح السیر الکبیر ہے۔ بعض اور ممتاز فقہا و علما نے اس موضوع پر کام کیا چنانچہ امام مالک (م ۱۷۹ھ،

۷۹۵ء) نے بھی کتاب السیر کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ تاہم یہ کتاب اب ناپید ہے۔ اسی طرح ان کے ایک اور معاصر مورخ واقدی نے بھی کتاب السیر کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ وہ بھی اب نایاب ہے۔ تاہم امام شافعی کی کتاب الام میں سیر الواقدی کے نام سے ایک طویل اقتباس شامل ہے۔ ڈاکٹر حمید اللہ علم السیر پر لکھی جانے والی ان کتابوں اور رسائل کو ابتدائی اور آخری قرار دیتے ہیں۔ یعنی ایک خاص زمانے میں کسی خاص ضرورت سے مستقل کتابیں لکھی جانے لگیں۔ پھر اس کے بعد شاید ضرورت نہ رہی۔ اور یہ سلسلہ بند ہو گیا۔[۴] لیکن اس علم سے مسلمانوں کی دل چسپی برابر برقرار رہی۔ وہ اس طرح کہ فقہ کی جتنی کتابیں ابتدا سے لے کر آج تک لکھی گئی ہیں ان سب میں کتاب السیر کا باب ضرور ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ سترہویں صدی عیسوی میں مرتب کی جانے والی فتاوائے عالمگیری میں بھی اس پر ایک باب ہے۔

عہد جدید میں جس مفکر نے علم السیر پر سب سے زیادہ اور اپنی نوعیت کا انتہائی اہم کام کیا وہ بلاشبہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ ہیں۔ تقریباً تمام دانشورانِ عصر نے، جنھوں نے ڈاکٹر محمد حمید اللہ پر اظہار خیال کیا ہے۔ ان کے اس کام کو کثیر الجہتی (Multi-dimensional) قرار دیا ہے، کیوں کہ انھوں نے تحقیق کے میدان میں بڑے معرکے کی چیزیں پیش کیں۔[۵] اس میں کوئی شک نہیں کہ ڈاکٹر حمید اللہ نے متنوع اسلامی موضوعات پر اپنی محققانہ صلاحیتوں کا لوہا منوایا، خواہ وہ میدان، تدوین حدیث کا ہو یا تدوین فقہ کا، علم السیر کا ہو یا سیرت نگاری کا، ان کا ہر کام، دوسرے کام سے مربوط ہے، جسے علاحدہ کرنے کی صورت میں ڈاکٹر صاحب کی اصل علمی و تحقیقی دین (contribution) کی وضاحت نہیں ہو سکے گی۔

بلاخوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ ڈاکٹر حمید اللہ نے اپنی علمی زندگی کے ابتدائی پندرہ بیس سال خصوصاً، بعد ازاں پوری زندگی عموماً علم السیر کی تحقیق میں صرف کیے۔ اس موضوع کو انھوں نے ڈی۔ فل، ڈی لٹ اور پی ایچ۔ ڈی کی ڈگریوں کے لیے چنا، جامعہ عثمانیہ میں وہ شعبہ دینیات کے طالب علم کی حیثیت سے داخل ہوئے، بی اے اسی شعبہ سے کیا، مگر ایم اے کی کلاسیں انھوں نے بیک وقت شعبہ دینیات اور شعبہ قانون میں ایک ساتھ لینا شروع کیں۔ بین الاقوامی سطح پر تیزی سے تبدیل ہوتے ہوئے حالات کے پیش نظر جامعہ عثمانیہ کا شعبہ قانون بھی متحرک تھا اور وقت کی ضرورتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے خدمات انجام دے رہا تھا۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد جب مجلس اقوام (لیگ آف نیشنز) قائم ہوئی اور بین الاقوامی قوانین پر پھر سے بحث و مباحثہ کا دروازہ کھلا، تو جامعہ عثمانیہ کے کلیہ قانون کے سربراہ، پروفیسر حسین علی مرزا کی کوششوں سے ایل ایل بی کے نصاب میں Public International Law کو لازمی کورس کے طور پر متعارف کرایا گیا۔ اس فیصلے کے بعد

ڈاکٹر حمید اللہ پہلے بیچ (batch) کے طالب علم تھے، اور ایک ہی سال میں یعنی ۱۹۳۰ء میں ایم اے دینیات اور ایل ایل بی کی ڈگریاں ایک ساتھ حاصل کیں۔ ان کا کہنا ہے کہ جب انھوں نے بین الاقوامی قانون کا مطالعہ کیا تو انھیں یہ اسلامی تاریخ اور اسلامی فقہ سے ملتا جلتا محسوس ہوا۔ اس بارے میں انھوں نے اپنے استاد حسین علی مرزا سے گفتگو کی، جن کی حوصلہ افزائی پر انھوں نے اس موضوع پر لکھنا شروع کیا۔ اور متعدد مضامین تحریر کرڈالے۔[۶] یہ بین الاقوامی قانون سے ان کی دل چسپی کا آغاز تھا۔ اس کے بعد اسی موضوع پر انھوں نے جامعہ عثمانیہ سے پی۔ ایچ۔ ڈی کرنا چاہا۔ جس کی انھیں اجازت مل گئی لیکن اس موضوع پر حیدرآباد دکن کی لائبریریوں میں تسلی بخش مواد موجود نہ تھا۔ ان کی جامعہ نے انھیں دنیا کی دیگر لائبریریوں میں جاکر مواد اکھٹا کرنے کی اجازت دی تو انھوں نے حجاز، شام، فلسطین، مصر اور ترکی کا سفر کیا اور پی۔ ایچ۔ ڈی کے مقالے کا مواد اکھٹا کیا۔ جامعہ عثمانیہ نے ڈاکٹر صاحب کو کمال مہربانی سے وظیفہ دیا تاکہ اپنے تحقیقی سرمائے پر کام کر سکیں۔

یہاں سے ڈاکٹر صاحب بون (جرمنی) پہنچے جہاں انھوں نے صرف نو ماہ میں یعنی اگست ۱۹۳۳ء میں اپنی تھیسس کا صرف ایک حصہ (جو غیر جانب داری کے اصولوں سے متعلق تھا) پیش کر کے ڈی فل کی ڈگری حاصل کر لی۔[۷]

ان کے مقالے کا عنوان *Die Neutralitate in Islamischan Voelkerrecht orthodoxes* یعنی اسلام کے بین الاقوامی تعلقات میں غیر جانبداری کے اصول تھا۔ چونکہ ان کو جامعہ عثمانیہ سے ملنے والے وظیفے کی رقم ابھی باقی تھی لہذا وہ پیرس (فرانس) چلے گئے اور یہاں سے انھوں نے ۱۹۳۵ء میں ڈی لٹ کی ڈگری لی۔ اس بار ان کے مقالے کا عنوان *Documents sur ladiplomatic musullmna'e'epoqe de Prophete at de Khiliphes* یعنی عہد نبوی اور خلافتِ راشدہ میں اسلامی سفارت کاری تھا۔[۸]

علم السیر میں ڈاکٹر حمید اللہ کی علمی خدمات:

ڈی فل اور ڈی لٹ کی اعلی علمی اسناد حاصل کرنے کے بعد آپ وطن واپس لوٹے اور اپنی مادر علمی، جامعہ عثمانیہ سے منسلک ہو گئے۔ وہ یہاں ''قانون بین الممالک'' کے استاد مقرر ہوئے۔ اس وقت اس موضوع پر انگریزی کی چند کتابیں دستیاب تھیں۔ تاہم ان کے بارے میں ڈاکٹر صاحب کا کہنا تھا کہ ''بیس برس قبل لکھی گئی یہ کتابیں، عصری تقاضوں کو پورا کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتی تھیں۔[۹] جب کہ اردو میں اس موضوع پر کوئی کتاب نہیں تھی۔ چناں چہ ڈاکٹر صاحب نے طلبہ کی ضرورتوں کے پیش نظر محض پچیس دنوں میں اس

موضوع پر اردو کی پہلی کتاب قانون بین الممالک کے اصول و نظریں کے نام سے لکھی، جس کا پہلا ایڈیشن، مکتبہ ابراہیمیہ، حیدر آباد سے ۱۹۳۶ء اور دوسرا ایڈیشن ۱۹۴۵ء میں شائع ہوا۔

گویا اپنی اعلیٰ تعلیم کے سالوں میں اور تدریس کے ابتدائی سالوں میں ڈاکٹر صاحب کا اصل میدانِ تحقیق "اسلامی قانون بین الممالک" ہی تھا۔ اسی سلسلہ کا ایک اور اہم کام مشہور مستشرق ارنسٹ نیس (Ernest Nys) کی جدید قانون بین الممالک کے موضوع پر لکھی جانے والی فرانسیسی کتاب کا اردو ترجمہ ہے۔ کتاب کی اہمیت اور ترجمہ کی ضرورت واضح کرتے ہوئے ڈاکٹر حمید اللہ لکھتے ہیں :

> ایک تو اپنے موضوع کی مستند اور متداول کتاب ہے، جس کا ہر کوئی حوالہ دیتا ہے۔ مگر اس سے بڑھ کر مولف کی وسعتِ قلبی ہے کہ اپنوں کی کوتاہیوں اور غیروں کی خوبیاں اور احسان ماننے میں اسے ذرا تامل نہیں معلوم ہوتا۔ کم مغربی مولف ہیں جنھوں نے جدید قانون بین الممالک پر کثیر مشرقی اثرات کو اس صراحت سے تسلیم کیا، سراہا اور ثابت کیا۔[10]

اپنے مقالے میں ڈاکٹر صاحب نے مزید وضاحت کی ہے کہ مصنف (ارنسٹ نیس) چوں کہ مشرقی علوم سے، متعلقہ زبانوں سے عدم واقفیت کی بنا پر، براہِ راست استفادہ نہیں کر سکا ہے۔ اور محض مشہور کتابیں اس کے پیشِ نظر رہی ہیں۔ اس لیے بعض واقعاتی غلطیاں راہ پا گئی ہیں اور کچھ سنی سنائی باتوں کو حقائق سمجھ کر قلم بند کر دیا ہے۔ ڈاکٹر حمید اللہ نے بڑی وسعت قلبی سے اعتراف کرتے ہوئے کہا کہ مصنف ارنسٹ نیس نے ایسا بربنائے تعصب و عناد نہیں کیا بلکہ یہ اس کے عدم معلومات کا نتیجہ ہے۔" ڈاکٹر صاحب نے جابجا حواشی میں متن کی تصحیح و تردید کے ساتھ ساتھ بعض مقام پر اسلامی نکتہ نظر کی بھی وضاحت کر دی ہے۔

ڈاکٹر محمد الیاس اعظمی اپنے ایک مقالے ڈاکٹر محمد حمید اللہ اور قانون بین الممالک میں تذکرہ کرتے ہیں کہ دوسری جنگ عظیم کے بعد اقوام عالم میں قانونِ بین الممالک اور اس کی اہمیت کا شدت سے احساس پیدا ہوا۔ چناں چہ اقوام متحدہ کا قیام عمل میں آیا اور اس کے لیے ایک منشور ترتیب دیا گیا۔ جس میں باہمی تعلقات کی استواری اور دوسرے مسائل اور نزاعات کے حل کے لیے قوانین وضع کیے گئے۔ ڈاکٹر صاحب نے اقوام متحدہ کے اس منشور کو بھی اردو میں منتقل کیا۔[12]

علامہ ابن القیم جوزیہ کی کتاب احکام اہل الذمہ ڈاکٹر صبحی الصالح کی تحقیق کے ساتھ شائع ہوئی۔ ڈاکٹر حمید اللہ نے اس پر جو پُر مغز مقدمہ لکھا ہے وہ بھی اُن کے بین الاقوامی شعور کا غماز ہے۔ اس میں انھوں نے اسلام کے

ملکی اور بین الاقوامی قوانین، غیر مسلم حکومتوں سے تعلقات اور اہل الذمہ کے حقوق و معاملات پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔[۱۳]

ڈاکٹر حمید اللہ کی اسی حوالے سے ایک اور اہم تصنیف الوثائق السیاسیۃ فی العہد النبوی والخلافۃ الراشدہ ہے۔ دو حصوں پر مشتمل اس کتاب میں رسول اللہ کے مکتوبات اور ان کے دریافت جوابات، فرامین، معاہدے، دعوت اسلامی، عمّال کی تقرری، اراضی کے عطیات، امان نامے، وصیت نامے وغیرہ شامل ہیں۔ دوسرے حصے میں عہدِ خلافتِ راشدہ کی دستاویزات کو یکجا کیا گیا ہے۔[۱۴]

اس موضوع پر ڈاکٹر حمید اللہ کی ایک اور اہم کتاب *The Muslim Conduct of State* ہے۔ اس میں قانون بین الممالک کی غرض، اساس اور اس کے ماخذ سے بحث کی گئی ہے اور ما قبل اسلام قانون بین الممالک کی تاریخ پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ موضوع کے دوسرے گوشوں مثلاً آزادی، اختیارات، سفارت، جنگ، بغاوت، ڈاکازنی، جنگی قیدیوں اور دشمنوں کے ساتھ سلوک، فوج میں مسلم خواتین وغیرہ جیسے موضوعات پر ڈاکٹر صاحب نے نہایت عمدہ بحث و تحقیق پیش کی ہے۔ اس کے بارے میں مولانا ابو الجلال ندوی لکھتے ہیں:

> مسلمانوں کے بین الاقوامی آئین پر یہ پہلی کتاب ہے جو اس زمانے کی ضرورتوں کو مدِّنظر رکھتے ہوئے لکھی گئی ہے۔ تنگ اور محدود نسلی اور جغرافیائی قومیت کی پیدا کردہ عالم گیر کشمکش کی وجہ سے اب دنیا کا رجحان بین الاقوامیت کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اور یہ وسعت صرف اسلام ہی میں مل سکتی ہے۔ اس لیے اسلام کے بین الاقوامی قوانین کو پیش کرنا ایک بڑی مفید خدمت ہے۔[۱۵]

اس کتاب کی مقبولیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس کتاب کے ۱۹۹۶ء تک چھ ایڈیشن چھپ چکے تھے۔ ترکی زبان میں اس کا ترجمہ بھی ہوا۔ یہ کتاب، پاکستان، انڈیا، ترکی کے علاوہ جرمنی سے بھی شائع ہوتی رہی ہے۔ اس کے ہر ایڈیشن میں ڈاکٹر صاحب اضافے اور نظر ثانی کر کے اُسے پہلے سے بہتر بناتے رہے۔

ڈاکٹر صاحب کی ایک اور کتاب *First written constitution in the world* ہے۔[۱۶] جس میں رسول اللہ کے میثاقِ مدینہ پر سیر حاصل بحث کرتے ہوئے اُسے پہلا عالمی دستور قرار دیا گیا ہے اور نہایت مدلّل انداز میں ثابت کیا ہے کہ مدینہ کو پہلی کثیر قومی و نسلی اور مذہبی وفاق ہونے کا شرف حاصل ہے۔ اس سلسلے کی ایک اور انگریزی کتاب *The Prophets Establishing A State And His*

Succession بھی ہے جسے پاکستان ہجرہ کونسل نے اسلام آباد سے ۱۹۸۸ء میں شائع کیا۔ ڈاکٹر صاحب کی بعض وہ کتابیں جو بظاہر سیرت پر ہیں۔ مثلاً رسول اکرم کی سیاسی زندگی، عہد نبوی کے میدان جنگ، اور عہد نبوی میں نظام حکمرانی وغیرہ۔ ان میں بھی قانون بین الممالک کے مختلف پہلوؤں پر بحث کی گئی ہے۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ کا انداز نہایت محققانہ اور مدلل ہوتا تھا ان کی تمام تحریریں اس کا ثبوت ہیں بطور خاص قانون بین الممالک کے میدان میں ان کا کام اپنے ہم عصر مفکرین میں نہایت منفرد تھا، انھوں نے قدیم نظریہ سیر میں اضافے بھی کیے، اگر یہ کہا جائے کہ اسلامی قانون بین الممالک کے ارتقا اور اس کی تشکیل نو میں ڈاکٹر حمید اللہ کا بڑا کردار ہے تو غلط نہ ہوگا۔ اس کی تصدیق کے لیے ڈاکٹر حمید اللہ کی تحریروں اور خطبات کا سہارا لیا گیا ہے جن کو مندرجہ ذیل نکات کی صورت میں سمیٹا جاسکتا ہے۔

۱۔ ڈاکٹر حمید اللہ نے لفظ انٹر نیشنل لا (International law) جس کے لیے عموماً بین الاقوامی قانون کا لفظ مستعمل ہے عمداً "قانون بین الممالک" کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ یہ قانون اصل میں سلطنتوں یا حکومتوں کے آپس کے تعلقات سے متعلق ہوتا ہے۔ حالت جنگ میں بھی اور حالت امن میں بھی سلطنت کے باشندوں کو اس سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ یعنی دو قوموں کے تعلقات سے اس میں بحث نہیں ہوتی بلکہ دو مملکتوں کے معاملات و مفادات سے بحث ہوتی ہے لہذا "قانون بین الممالک" کا لفظ زیادہ موزوں ہے۔[۱۷] ابتدا میں International law کی جگہ ڈاکٹر حمید اللہ اسے Inter state law کہتے رہے۔[۱۸]

۲۔ قانون بین الممالک (یعنی علم السیر) ایک ایسا علم ہے جو مسلمانوں کا رہین منت ہے اور مسلمانوں نے ہی سب سے پہلے اسے علم کے طور پر متعارف کیا۔ اس کے برعکس مغربی اہل قلم اور دانش ور یہ بات بہت زور دے کر کہتے ہیں کہ جدید بین الاقوامی قانون مغربی مفکرین کی کاوشوں کا مرہونِ منت ہے۔ ان کا دعویٰ ہے کہ جدید بین الاقوامی قانون کی داغ بیل سترھویں صدی کے ایک مفکر ہیو گو گروٹس (Hugo Grotius)(۹۹۱ھ تا ۱۰۵۵ھ/۱۵۸۳ء تا ۱۶۴۵ء) نے ڈالی۔ ڈاکٹر صاحب نے مغرب کے اس دعویٰ کو رد کیا ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ بین الاقوامی قانون اپنی عالم گیر اور آفاقی صورت میں صرف مسلمانوں کا رہین منت ہے۔ اس نوع کا قانون بین الممالک سب سے پہلے مسلمانوں نے ہی ایجاد کیا۔[۱۹] یہ قانون بلا تفریق ملت، رنگ و نسل، تمام اقوام کے لیے یکساں ہے۔ یہ شریعت کا حصہ ہے اور ہر اسلامی مملکت اور ہر مسلمان حکمران کے لیے واجب الاتباع ہے۔

۳۔ بعض مغربی علما یہ دعویٰ بھی کرتے ہیں کہ یہ علم پہلے پہل یونانیوں نے متعارف کرایا لیکن ڈاکٹر حمید اللہ اس بات کو تسلیم نہیں کرتے بلکہ انھوں نے بعض مغربی مصنفین ہی کے بیان سے اس دعویٰ کو مسترد کر دیا۔ ان

مغربی مصنفین کے بیان کے مطابق یونان کی شہری ریاستوں میں اگر باہمی تعلقات کے حوالے سے کچھ معین قاعدے تھے تو وہ صرف اپنے ہم نسل یونانیوں کے ساتھ برتاؤ سے متعلق تھے۔ یعنی ایک یونانی شہری ریاست دوسری یونانی شہری ریاست کے ساتھ تعلقات میں چند معین قواعد پر عمل کرتی دیگر باقی ساری دنیا کو وحشی قرار دے کر انھیں اس قابل نہیں سمجھتے تھے کہ ان کے ساتھ کسی معینہ قاعدے قانون کے تحت معاملات کریں۔ گویا یونانیوں کے پاس اگر انٹر نیشنل لا تھا تو یہ قوانین جہاں اپنے اطلاق میں محدود تھے وہیں وہ دوسری اقوام کے حوالے سے امتیازی بھی تھے۔[20] یونان کا سب سے بڑا فلسفی ارسطو غیر یونانیوں کے بارے میں یہ فیصلہ دیتا ہے کہ ''فطرت نے انھیں یونانیوں کا غلام بننے کے لیے پیدا کیا ہے اور ان کے متعلق یونانی اپنی صوابدید پر جو چاہے عمل کر سکتا ہے۔''[21]

۴۔ ڈاکٹر حمید اللہ بعض یورپی مصنفین کے اس دعویٰ کو بھی مسترد کرتے ہیں کہ یہ بین الاقوامی قانون International Law رومیوں کے ہاں ملتا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ رومیوں کے ہاں جنگ وامن کے حوالے سے کچھ قوانین ضرور تھے لیکن یہ قوانین ساری دنیا کے لیے نہیں تھے۔ صرف ان ممالک کے لیے تھے جن کے ساتھ رومیوں کے معاہدے ہوتے تھے۔ اس موقع پر ڈاکٹر حمید اللہ مشہور مقنن اوپن ہیمس (Lassa Francis Lawrence Oppenheim) جس نے انٹر نیشنل لا پر ضخیم کتاب تحریر کی، کے حوالے سے کہتے ہیں کہ رومیوں کا دعویٰ تھا کہ یہ کرۂ ارض رومیوں کا ہے۔ یعنی پوری دنیا رومیوں کی ملکیت ہے۔ اور ظاہر ہے کہ کوئی اپنے گھر کے اندر قانون بین الممالک کا استعمال نہیں کرتا۔[22]

۵۔ اس کے بعد یکایک ایک ہزار سال کی جست لگا کر یورپی مورخین کہتے ہیں کہ بین الاقوامی قانون (International Law) چودھویں، پندرھویں صدی میں شروع ہوتا ہے اس دوران گزرنے والے اسلامی دور کا، مغربی مورخین کچھ تذکرہ نہیں کرتے۔ بہر حال مغربی مورخین جسے جدید بین الاقوامی قانون Modern International Law کہتے ہیں، ڈاکٹر حمید اللہ اس کو بھی تسلیم کرنے پر تیار نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ۱۲۷۲ھ / ۱۸۵۶ء تک معینہ قاعدوں پر یورپ میں صرف عیسائی سلطنتوں کے آپس کے تعلقات کے ضمن میں عمل کیا جاتا رہا۔ ان کے بین الاقوامی قانون کا غیر عیسائی ریاستوں پر اطلاق نہیں ہوتا۔ ۱۲۷۲ھ / ۱۸۵۶ء میں پہلی مرتبہ مجبوراً یورپی عیسائی سلطنتوں نے اعتراف کیا کہ ان قوانین کا اطلاق ایک غیر عیسائی سلطنت (یعنی سلطنت عثمانیہ) کے ساتھ بھی ہوگا۔ تاہم اس کے بعد پھر ساٹھ ستر سال تک کسی غیر عیسائی ریاست کو ان قوانین کا حق دار نہیں سمجھا گیا۔[23]

۶۔ ڈاکٹر حمید اللہ لیگ آف نیشنز اور اقوام متحدہ کے انٹر نیشنل لا کو تنقید کا نشانہ بناتے ہیں کیوں کہ اقوام متحدہ میں بھی ہر ملک کو اپنی ذاتی حیثیت سے رکن نہیں بنایا جاتا جب تک کہ کم از کم دو ایسی سلطنتیں جو پہلے سے اقوام متحدہ کی ممبر ہوں، سفارش نہ کریں، اور یہ اطمینان نہ دلائیں کہ یہ واقعی متمدن سلطنتیں ہیں اور اس بات کی مستحق ہیں کہ ان کے ساتھ انٹر نیشنل لا کے مطابق عمل کیا جائے۔ اس کے برعکس اسلامی انٹر نیشنل لا میں اس فرق اور امتیاز کی کوئی گنجائش نہیں کہ کوئی دوسرا ملک مسلمانوں کے معیار کے قواعد وضوابط پر عمل کرتا ہے یا نہیں۔[۲۴]

۷۔ ان تمام نکات پر تفصیلی بحث کرنے کے بعد ڈاکٹر حمید اللہ دعویٰ کرتے ہیں کہ قانون بین الممالک جو حقیقت میں بین الممالک بھی ہے اور قانون بھی ہے، اور اس کا آغاز رسول اللہ کی سیرت سے ہوتا ہے۔ ہجرت سے قبل مکہ میں State within state کی کیفیت میں، ازاں بعد مدینہ میں جب ایک اسلامی ریاست کی داغ بیل ڈالی گئی تو دیگر ممالک اور خود مختار اکائیوں سے ان کے تعلقات، امن وجنگ کا آغاز ہوا۔ اور رسول اللہ ﷺ کا طرز عمل مسلمانوں کے لیے نظیر بنتا گیا۔ گویا رسول اللہ ﷺ کی سیرت اور بعد ازاں ان کے خلفا کے طریق کار میں وہ تمام اصول وضع ہو گئے جس پر آگے فقہا اضافہ کرتے رہے اور ایک واقعی ہمہ گیر نوعیت کا انٹر نیشنل لا وجود میں آیا جس کو علم السیر کا نام دیا گیا۔

۸۔ اسلامی قانون بین الممالک تمام حکومتوں (خواہ مسلم ہوں یا غیر مسلم) کے لیے ہے اس میں مذہب، علاقہ، نسل وغیرہ کی بنیاد پر کسی قوم کے ساتھ کوئی امتیاز روا نہیں رکھا گیا ہے۔[۲۵] اسلامی قانون بین الممالک اسلامی شریعت کا ایک حصہ ہے چناں چہ غیر مسلم اقوام کے ساتھ بھی معاہدات کی پابندی اسی طرح واجب ہے جس طرح دیگر عبادات۔ ڈاکٹر صاحب نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ اسلامی قانون بین الممالک کا حصہ غیر مسلم قوموں کے ساتھ عدل وانصاف پر مبنی تعلقات استوار کرنا ہے۔ یہ قانون اپنے پیچھے ایک مضبوط اور موثر قوت نافذہ رکھتا ہے۔ اس کی قوت نافذہ جہاں ریاست کی قوت قاہرہ اور اس کا قانونی نظام ہے، وہیں فکر آخرت اور خدا کے سامنے جواب دہی جیسے مفاہیم بھی ہیں۔[۲۶]

۹۔ بعض مستشرقین کے خیال میں اسلام میں غیر جانب داری کا تصور نہیں۔ وہ دنیا کو دارالسلام اور دارالحرب کے دو متحارب بلاکوں میں تقسیم کرتا ہے ان کے درمیان وہ کسی تیسرے بلاک کے وجود کو تسلیم نہیں کرتا۔ یہ نظریہ ایک مستشرق مجید قدوری نے اپنی کتاب *Islamic Law for War and Peace* میں دیا جو ۱۹۵۵ء شائع ہوئی۔ ایک اور مشہور مستشرق برنارڈ لیوس (Bernard Lewis) نے بھی *Political Language of Islam* میں جو شکاگو یونیورسٹی سے ۱۹۸۸ء میں شائع ہوئی، اس خیال کا اظہار کیا اور اسلام کو

ایک استعماری نظام کے طور پر پیش کیا۔ ڈاکٹر حمید اللہ نے ان مستشرقین کی غلط فہمیوں کا ازالہ کیا۔ بون یونیورسٹی میں پیش کیا جانے والا ڈاکٹر صاحب کے تھیس کا عنوان ہی اسلام کے بین الاقوامی تعلقات میں غیر جانب داری کے اصول تھا۔ جس کے بعد مستشرقین کے مذکورہ بالا نظریات خود ہی بے بنیاد ٹھہرتے ہیں۔

۱۰۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے خیال میں گو کہ اسلام کا پیغام عالمی و آفاقی ہے۔ جس کا تقاضا پوری دنیا میں اللہ کے دین کا غلبہ اور اس کے نظام کا قیام ہے۔ تاہم اس کا مطلب غیر مسلم ریاستوں کے حق بقا کی نفی نہیں ہے۔ اسلام مسلمانوں کو ایسی تمام اقوام کے ساتھ پر امن تعلقات کی ہدایت کرتا ہے جو مسلمانوں کے ساتھ جنگ سے احتراز کریں اور صلح اور امن کے ساتھ رہنا چاہیں۔ دوسرے الفاظ میں اسلام کے نظریہ سیر میں ریاستوں کے پر امن بقائے باہمی کا وہ اصول تسلیم کیا گیا ہے جو آج کے بین الاقوامی تعلقات کی بنیاد ہے اور ڈاکٹر حمید اللہ نے اس تصور کو اہل علم اور اہل یورپ کے سامنے پورے استدلال سے پیش کیا ہے جس نے جدید نظریہ سیر پر گہرے اثرات ڈالے ہیں۔

۱۱۔ ایک اور مسئلہ جو بعض مستشرقین کی طرف سے پیش کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ دنیا کے باقی قوانین کے برعکس اسلامی قانون کا دائرہ اختصاص اور اس کی علاقائی حدود عمل متعین نہیں ہیں۔ یہ ایک شخصی قانون ہے جو دنیا کے ہر خطے میں رہنے والے مسلمانوں پر لاگو ہوتا ہے۔[۲۷] ڈاکٹر حمید اللہ نے بہت مدلّل انداز میں اس اشکال کا جواب دیا ہے اور واضح کیا ہے کہ اسلامی قانون جہاں ایک شخصی قانون ہے وہیں یہ ایک متعین علاقائی دائرہ اختصاص بھی رکھتا ہے۔[۲۸] ایک اسلامی ریاست اپنی فوج داری و تعزیری قوانین صرف انہی لوگوں پر نافذ کر سکتی ہے جو اس کے اپنے حدود عمل میں رہتے ہیں۔[۲۹] ریاست کے حدودِ عمل کا متعین حدودِ ارض تک ہونے کا جو تصور ڈاکٹر حمید اللہ نے پیش کیا ہے وہ در حقیقت معاصر سیاسی فکر یعنی علاقائی اقتدار اعلیٰ Territorial Sovereignty کی ایک بازگشت ہے۔ اس سے اسلامی ریاست ان الجھنوں اور اشکالات سے بچ جاتی ہے جو اسلامی ریاست کے ماورالحدود قرار دینے سے پیدا ہوتی ہیں۔

الغرض ڈاکٹر محمد حمید اللہ عصر جدید میں مسلمانوں میں قانون بین الممالک کے پہلے ایسے ماہر ہیں جنھوں نے مختلف زبانوں سے واقفیت کے سبب، مختلف قدیم، جدید قوموں اور ملکوں کے بین الممالک اصول و تصورات اور قوانین کا مطالعہ کیا اور کتابیں و مقالات قلم بند کیے۔ وہ یورپ کے قدیم و جدید قوانین بین الممالک سے اسلام کے قوانین بین الممالک کا بعض مقامات پر موازنہ و مقابلہ کر کے واضح کرتے ہیں کہ اسلامی قوانین ہر لحاظ سے بہتر

ہیں۔[۳۰] وہ قانون بین الممالک کی تشریح میں یورپ اور امریکا کے ساتھ تاریخ اسلام اور فقہ اسلامی سے بھی استدلال کرتے ہیں کیوں کہ وہ خوب واقف ہیں کہ مغربی اہل قلم عموماً اسلامی تاریخ کے محاسن کو نظر انداز کرتے ہیں۔ ڈاکٹر حمید اللہ چوں کہ مستشرقین کے علمی منہج سے واقف تھے اس لیے وہ دلیل و براہین کے ساتھ ابتدائی ماخذ کے حوالے دے کر یورپ کے پیمانہ تحقیق ہی کے مطابق ان کو جوابات دیتے ہیں۔ ڈاکٹر محمود احمد غازی کہتے ہیں:

> ڈاکٹر محمد حمید اللہ کو بلاخوف و خطر دور جدید میں اسلام کے بین الاقوامی قانون کا مجدد اور مؤسس نو قرار دیا جاسکتا ہے اگر امام محمد بن حسن شیبانی قدیم علم السیر کے مؤسس اول اور مدون ہیں تو ڈاکٹر حمید اللہ یقیناً جدید بین الاقوامی اسلامی قانون کے مؤسس و مدوّن ہیں اور بیسویں صدی کے شیبانی کہلائے جانے کے بجا طور پر مستحق ہیں۔[۳۱]

حواشی و حوالہ جات:

۱۔ حمید اللہ، ڈاکٹر، خطبات بہاولپور، (اسلام آباد: ادارہ تحقیقات اسلامی، ۱۹۸۵ء)، ۱۳۲

۲۔ عبدالرحیم، 'اصول فقہ اسلام' (کراچی) ص ۱۳۳

۳۔ حمید اللہ، ڈاکٹر، خطبات بہاولپور، ۱۳۲

۴۔ ایضاً

۵۔ پروفیسر خورشید احمد، ڈاکٹر محمد حمید اللہ، مشمولہ: 'فکر و نظر'، اسلام آباد، ص ۱۳

۶۔ ڈاکٹر حمید اللہ، *The Muslim Conduct of State*، (لاہور: شیخ محمد اشرف سنز، ۱۹۹۶ء) ص viii پہلے ایڈیشن کا پیش لفظ، (تحریر کی تاریخ ۱۹۴۱ء)۔

۷۔ ایضاً

۸۔ ایضاً

۹۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، قانون بین الممالک، (حیدر آباد دکن: مکتبہ ابراہیمیہ، طبع ثانی، ۱۳۶۴ھ) ص ۱۸؛ پہلی اشاعت کے 'پیش لفظ' سے لیا گیا ہے۔

۱۰۔ ارنسٹ نیس (Ernest Nys)، جدید قانون بین الممالک کا آغاز، ترجمہ: ڈاکٹر حمید اللہ (جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن ۱۹۴۵ء) ص۔ط

۱۱۔ ایضاً

۱۲۔ یہ ترجمہ ڈاکٹر حمید اللہ کی کتاب قانون بین الممالک کے دوسرے ایڈیشن کے آخر میں ضمیمہ کے طور پر شامل کیا گیا ہے۔ اور یہ دستور اقوام متحدہ کا خلاصہ ہے۔ جبکہ اصل دستور ایک سو گیارہ دفعات پر مشتمل اور انیس ۱۹ ابواب میں منقسم ہے۔

۱۳۔ محمد الیاس اعظمی، ڈاکٹر محمد حمید اللہ اور قانون بین الممالک، مشمولہ: (اسلام آباد: سہ ماہی، 'فکر و نظر'، ۲۰۰۳ء) ص ۲۰۲

۱۴۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، مجموعہ الوثائق السیاسته فی العهد النبوی والخلافة الراشده، (قاہرہ: لجنۃ التالیف والترجمہ والنشر، ۱۹۴۱ء) اس کتاب کا اردو ترجمہ مولانا ابو یحییٰ نوشہری نے کیا جو لاہور سے شائع ہوا ہے۔

۱۵۔ مولانا ابوالجلال ندوی، مطبوعات جدید، مشمولہ: (اعظم گڑھ: ماہ نامہ، 'معارف'، ۱۹۴۸ء) ص ۳۱۷

۱۶۔ لاہور سے ۱۹۶۸ء تک اس کتاب کے تین ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

۱۷۔ ڈاکٹر حمید اللہ، خطبات بہاولپور، ص ۱۱۵

۱۸۔ ظفر اسحق انصاری، ڈاکٹر محمد حمید اللہ مشاہدات و تاثرات، مشمولہ: (اسلام آباد: سہ ماہی، 'فکر و نظر'، ۲۰۰۳ء) ص ۱۲

۱۹۔ ڈاکٹر حمید اللہ، The Muslim Conduct of State، ص ۱۷

۲۰۔ ڈاکٹر حمید اللہ، خطبات بہاولپور، ص ۱۱۷

۲۱۔ ارسطو، سیاسیات، مترجم سید نذیر نیازی (لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۵۹ء) ص ۴۲۔۴۱

۲۲۔ ڈاکٹر حمید اللہ، خطبات بہاولپور، ص ۱۱۸

۲۳۔ ایضاً

۲۴۔ ایضاً

۲۵۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، مقدمہ: احکام اہل الذمہ، از علامہ ابن القیم (دار العلم للملایین طبع اول، ۱۱۸۲ھ) ص ۸۲

۲۶۔ ڈاکٹر حمید اللہ، The Muslim Conduct of State، ص ۱۷

۲۷۔ مجید قدوری، Islamic Law of Nation، (بالٹی مور: دی جونس ہاپکنس پریس ۱۹۴۴ء) ص ۷

۲۸۔ پروفیسر مجید قدوری کی کتاب Islamic Law of Nation(Shabani's Siyer) پر ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے تبصرہ کیا تھا۔ جسے سرے انگلینڈ سے شائع ہونے والے پرچے The Islamic Review کے شمارے جولائی، اگست ۱۹۶۶ء میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

۲۹۔ ڈاکٹر حمید اللہ، The Muslim Conduct of State، ص ۱۶

۳۰۔ ڈاکٹر حمید اللہ، خطبات بہاولپور، ص ۱۳۱

۳۱۔ محمود احمد غازی، علوم اسلامیہ میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی خدمات، مشمولہ: (اسلام آباد: سہ ماہی، 'فکر و نظر'، ۲۰۰۳ء) ص ۸۵